

## یزیدی آمریت - جدید علمانیت بمقابلہ حسینی حقِ حاکمیت (4)

<"xml encoding="UTF-8?>

اسلام کے سیاسی اور سماجی احکام اور حقوق، منجملہ مشروعيت یا قانونی جواز (حق)، انسانی حقوق، سماجی، معاشری، سیاسی شعبوں نیز نظام عدل میں عدل و انصاف سب کے سب انسان شناسی (Anthropology) کے عین مطابق، انسان شناسی ہستی شناسی (آنتولوژی) کے عین مطابق اور ہستی شناسی (یا وجود شناسی) خدا شناسی یا معرفتِ رب (یا Theosophy) کے عین مطابق ہے؛ اگر ہم نے انسان کو صحیح طور سے پہچانا، تو ہم اس کی حقیقی ضروریات و احتیاجات، اس کی اہلیتوں اور صلاحیتوں اور اس کے روابط و تعلقات کو صحیح طریقے سے پہچان سکیں گے۔ جب ہم اس مرحلے تک پہنچیں گے تو تب ہی وہ احکام اور حقوق معلوم اور مدلل ہوکر سامنے آئیں گے جو اس موجود کے کمال و ارتقاء اور سعادت و خوشبختی کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔

[فلسفہ حقوق و احکام واضح ہو جاتا ہے] معلوم ہو جاتا ہے کہ جب کہا جاتا ہے کہ زنا، شراب نوشی، غصب، ربا (سود خوری) اور جھوٹ کو ترک کرنا چاہئے، تو ایسا کیوں ہے اور یہ افعال کیوں نہیں ہونے چاہئیں؛ ان سب کی دلیل سامنے آتی ہے۔ اسی ترتیب سے جہاد، انفاق، زکاۃ اور نماز کی فرضیت کی وجہ اور دلیل روشن ہو جاتی ہے۔ ان سب "ہونا چاہئے" اور "نہ ہونا چاہئے" کے لئے دلیل موجود ہے اور ان کے بارے میں بحث ممکن ہے۔ کیونکہ اس کا اصول اور اس کی بنیاد وجود شناسی اور غایت شناسی یا انجام شناسی ہے۔ حکم آتا ہے کہ عقل کو وحی سے جوڑ کر انسان کے وجود کے مختلف پہلوؤں اور جہتوں کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ بنی نوع بشر کے حوالے سے آپ کے تأثیر و ادراک کی نوعیت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسان کے وجود میں کیا صلاحیتیں اور کیا احتیاجات ہیں؟ جنہیں ایک ایک کر بالیدگی اور شگفتگی تک پہنچنا چاہئے اور اس کی خوابیدہ قوتوں کو فعلیت اور عملیت کے مقام پر فائز ہونا چاہئے۔ علاوه ازین اخلاق اور حقوق کی جڑیں انسان شناسی میں پیوست ہیں۔

چنانچہ اخلاق بھی مدلل و مبرہن ہے اور حقوق بھی مدلل و مبرہن ہیں اور یہ دو - جو بظاہر اعتباری (\*) اور مجازی لگتے ہیں - بماری نگاہ میں اعتباری (\*) اور مجازی نہیں ہیں۔ لہذا اخلاقیات و حقوق کے پورے مجموعے کا جائزہ کسی قرارداد یا عوام کی اکثریت رائے سے ہی نہیں لیا جاسکتا۔ [کیونکہ یہاں کئی سوالات اٹھیں گے اور ان میں سے سادہ ترین سوال یہ ہے کہ] اگر دنیا کے پورے انسانوں سے رائے لی جائے کہ کسی بے گناہ انسان کو پہانسی پر لٹکایا جائے یا نہیں، یا اس کے اموال چھین لئے جائیں یا نہیں، یا اس کی آبرو و عزت کو سریازار نیلام کیا جائے یا نہیں؟ اور دنیا کے تمام انسان رائے دیں کہ اس کو پہانسی دی جائے یا اس کے اموال لوٹ لئے جائیں یا اس کی آبرو نیلام کی جائے اور صرف ایک شخص (یعنی وہ بے گناہ شخص خود) رائے دے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تو کیا یہ ناحق، حق ہو جائے گا؟ برعکس نہیں، یہ حق قابل اثبات نہیں ہوگا کیونکہ انسانوں سے رائے اور ووٹ لینے کے لئے بھی عقل اور اخلاق کا دائمہ ہونا چاہئے اور کوئی قرارداد بھی صرف اخلاق اور حقوق اور عقل کے دائمہ میں ہی معتبر ہوگی۔

اب [یہ اپنے ابتدائی سوال کی طرف لوٹتے ہیں کہ] اگر آپ سے پوچھا جائے کہ کیا انسانی علوم (Humanities)، انسانی حقوق، سیاسیات اور مشروعيت (لیجیٹیمیسی) کو اسلامی اور غیر اسلامی میں تقسیم کیا جاسکتا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ: "کیوں نہیں؟" کیونکہ دنیا وی رجحانات پر مبنی انسانی حقوق، معاشیات اور سیاست کی سیکولر اور علمانی تعریف کا مدار و محور ہوگا۔ انسانی علوم یعنی انسان شناسی کے مختلف مکاتب نے اگر انسان کی

مادی تعریف فرایم کی تو اس صورت میں اس کے لئے جو حقوق اور فرائض بھی وضع کئے جائیں گے ان کی اساس بھی دنیاوی مادی رجحانات ہی ہونگے؛ جبکہ اگر انسان کی تعریف الہی ہوگی تو اس حقوق و فرائض بھی الہی ہونگے۔

نہ جانی کہ وہ ان دو کے درمیان موجودہ اختلافات کا ادراک وہ کیوں نہیں کر سکتے؟ جب آپ "الف" کی تعریف کرتے ہیں تو اسی تعریف سے ہی "الف" کی ذات کے عین مطابق ہدایات حاصل ہوتی ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ لبرل ہیومین رائٹس اور مارکسیٹ ہیومین رائٹس میں فرق ہو اور یہ فرق بامعنی بھی ہو اور قابل فہم و ادراک بھی ہو لیکن جب اسلامی انسانی حقوق کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے؛ اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ جبکہ اسلام نے اتنی باریک بینی اور اتنی وسعت سے انسان اور اس کے حقوق و فرائض اور معیشت و سیاست کے بارے میں فلسفی اور اخلاقی بحث کی ہے جبکہ مغربی علمانیت انسان کے بارے میں اسلام جتنی وسیع بحث نہیں کرتی۔ تاہم اگر کہیں کوئی بحث ہے تو اس کا عقلی اور تجرباتی حصہ دونوں میں مشترک ہے۔ ہمارے مکتب میں نظریہ (Idealogy) مغربیوں کی مانند تعصب آمیز اور جامد نہیں ہے بلکہ ہمارا نظریہ دلیلوں پر مبنی ہے۔ مکتب توحید میں انسانی علوم اور سیاست کی روشنی میں انسانی حقوق، عدل اور مشروعیت یا قانونی جواز کا منبع اللہ تعالیٰ کا تشریعی ارادہ اور تشریعی حکم پر استوار ہے۔ [یعنی خدا نے ایسا کرنے کا فرمان جاری فرمایا ہے، قرآن اور احادیث ان تمام چیزوں کا سرچشمہ ہیں جو انسانی حقوق، عدل و انصاف اور مشروعیت یا قانونی جواز کا منبع کھلاتی ہیں؛ یہ سب اللہ کے تشریعی ارادت کی طرف اشارہ ہیں اور ان سے اللہ کا ارادہ تشریعی بوضوح کشف ہو جاتا ہے۔ یعنی حقوق شناسی، سیاست، معاشیات سے پہلے، مشروعیت یا قانونی جواز کی تعریف سے بھی پہلے، یعنی سب سے پہلے وجود شناسی اور انسانی شناسی کی باری ہے۔ یہ ہم حقوق کے لئے جو فلسفہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حقوق و فرائض کی قانون سازی اور تشریع کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے، اس کے لئے ہم فلسفی استدلال بھی فرایم کرتے ہیں۔

اختصار کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ کا وجود، اس کے اوصاف، اس کی ذات، صفات، اسماء سب کے سب قابل اثبات ہیں، انسانوں پر بھی نہیں بلکہ تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کا حق بھی دلیل و بربان سے ثابت ہوتا ہے اور یہیں سے حقوق، قانونی جواز اور علم سیاست کی بحث بھی شروع کرتے ہیں۔

درحقیقت ایک بنیادی فلسفی بحث کو پکڑلیتے ہیں اور پھر باہر آتے ہیں۔ انسانوں پر خدا کا حق ایک دوسری بحث کے اثبات سے حاصل ہوتا ہے اور ہم اس کو دلیل و بربان سے ثابت کرتے ہیں؛ پہلے ثابت کرتے ہیں کہ خدا عالم اور انسان کا مالک ہے جس کے بعد یہ بحث سامنے آتی ہے کہ خداوند متعال انسان اور عالم میں تصرف کا حق رکھتا ہے، بالفاظ دیگر خالقیت کا اثبات [یعنی عالم مخلوق ہے]، اس کے بعد حقیقی مالکیت کا موضوع سامنے آتا ہے۔ خدا کے سوا کوئی بھی کسی چیز کا حقیقی خالق نہیں ہے۔ یہ خدا ہی ہے جس نے حق اور صاحب حق کو خلق کیا ہے، خدا خالق ہے، پس وہ مالک ہے، پس وہ حاکم ہے، وہ خالق و مالک و حاکم ہے لہذا وہی ذاتی طور پر حق حاکمیت کا مالک ہے اور بس۔ اب جبکہ خدا حاکم ہے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ انسان کے حقوق و فرائض کا تعین اور تعریف کرے۔ چنانچہ انسانی حقوق کا منشأ اور سرچشمہ حق اللہ کی بنیاد پر استوار ہے۔ امام سجاد علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا: "ہو اصل الحقوق" (19) [خدا کی ذات تمام حقوق کی جڑ ہے]، یعنی وہ تمام حقوق جو ہم اس دنیا میں بیان اور معین کرتے ہیں انسانی حقوق، سیاسی حقوق، خاندانی حقوق وغیرہ سب حق اللہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ "و منه يتفرق [یا يتفرع]" یعنی یہ سب حق خداوندی کی شاخیں ہیں جو اس تھے سے مشتق ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کہ آپ کو اس امر پر قدرت حاصل ہونی

چاہئے کہ تمام حقوق کو حق اللہ کی طرف لوٹائیں ورنہ حقوق کی کوئی بھی فلسفی توجیہ (Philosophic Justification) ممکن نہیں ہوگی۔

دوسرًا نتیجہ یہ کہ آپ کسی چیز کو بھی انسانی حقوق کے عنوان سے متعین نہیں کر سکتے جو حق اللہ سے مغایرت رکھتی ہو۔ یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ "الف" انسانی حق ہے جبکہ حق اللہ اور شریعت اللہ کے خلاف ہے، کیونکہ کوئی بھی حق الناس حق اللہ کے بغیر قابل اثبات نہیں ہے، اور تمام حقوق کا منبع و سرچشمہ حق اللہ کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ قطعی اور عقلی ادراک ہے کہ خالقیت، اس کے بعد مالکیت اور اس کے بعد حاکمیت اور آخرالامر ولایت الہی کا حق تصرف، اور نتیجتاً زندگی کے تمام شعبوں میں حقوق و فرائض کا سرچشمہ الہی ہونا چاہئے۔ البتہ عقل اور شرع ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں تا کہ لوگ اس ادراک تک پہنچ سکیں۔ خدا کے سوا کسی کو بھی ذاتی اور حقیقی طور پر کسی بھی شخص یا کسی بھی چیز میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے، کسی کا خدا پر کوئی حق نہیں ہے۔ کوئی بھی حقیقتاً خدا پر کوئی حق نہیں رکھتا۔ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا خدا پر فلان حق ہے اور خدا نے ہمارے سامنے اپنے لئے فرائض مقرر فرمائے ہیں، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ حق اللہ اور حق انسان یکسان ہے، کیونکہ ہم ادراک نہیں کر سکتے کہ لوگ ہم سے یہ کیسی بات کر رہے ہیں۔ ورنہ کسی چیز اور کسی شخص کا خدا پر کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ ساری چیزیں خدا کی مخلوق ہیں۔ یہ صرف خدا کی ذات ہے جو ہر چیز اور ہر فرد پر حق رکھتا ہے۔ البتہ یہاں ایک سوال اور ایک ابہام بھی ہے لیکن چونکہ فرصت نہیں ہے اسی لئے اس سے گذرنا چاہتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ فقط خدا کی ذات ہے جو اپنی ذات پر قائم اور اپنی ذات پر استوار ہے، حقیقی مالکیت صرف اس کی ذات کی زینت ہے اور تمام فلسفی دلیلیں انسانی حقوق کے لئے ہیں نہ کہ خدا کی ذات کے لئے۔ خدا کے سوا کسی چیز اور کسی فرد کے لئے ذاتی طور پر تصرف کا حق حاصل نہیں ہے، کیونکہ حقیقت میں کوئی بھی حقیقی خالقیت اور حقیقی مالکیت موجود ہی نہیں ہے خدا کے سوا۔ سوائے خدا کے، جو صاحب حق ہے، کوئی بھی شخص، کوئی بھی چیز کسی بھی شخص یا کسی بھی چیز پر اور ایک دوسرے پر اور خدا پر کوئی حق نہیں رکھتا۔ اگر خدا کے ذمے ہمارا کوئی حق ہے تو وہ وہی ہے جو خدا نے خود ہی ہمارے لئے متعین فرمایا ہے۔ ہم اپنے جانب سے خدا کے سامنے کسی حق کے مالک نہیں ہیں، اس حق کا ایک حصہ خدا نے رسول اللہ (ص)، اپنے اولیاء اور رسول اللہ (ص) کے اوصیاء اور جانشینیوں کو عطا فرمایا ہے اور اسی حق کا کچھ حصہ لوگوں کے لئے قرار دیا ہے۔ دینی اور توحیدی نگاہ کے مطابق عقلی بربان سے استفادہ کرتے ہوئے، حقوق، عدل، حق اور انسانی حقوق کا منشأ و سرچشمہ مدلل طریقے سے بیان اور واضح کیا جاسکتا ہے۔ اب غیر دینی اور غیر توحیدی قوانین میں جب حقوق و اخلاق اور خدا کی خالقیت و حاکمیت ہی قابل اثبات نہیں ہے تو اس کے لئے عقلی بربان لانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ لہذا ان کے فلسفی ترین استدلالات یا استدلال کی مانند باتیں، دینی نگاہ سے قطع نظر انسانی حقوق و فرائض کے اثبات کے لئے، اٹھارہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں جب مغربی ادبیات فلسفی - دینی تھے؛ کہا کرتے تھے کہ "خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا پس کسی کو بھی انسان کے حقوق ضائع کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔" یہ درحقیقت ایک دینی استدلال ہے۔ ہماری رائے کے مطابق، اگر یہی استدلال آزادی، انسانی حقوق اور سیاسی قانونی جواز (حق) کی بنیاد ہے تو کہنا چاہئے کہ "وہی خدا جس نے ہمیں آزاد پیدا کیا ہے اسی نے ہمارے لئے بعض حدود اور سرحدات بھی معین فرمائی ہیں۔ وہی خدا جس نے حقوق اور آزادیاں وضع کی ہیں اسی نے حدود بھی وضع کی ہیں۔" یہ کیسی بات ہے کہ اس نے جو حقوق اور آزادیاں وضع کی ہیں وہ تو قابل قبول ہیں لیکن اس نے جو فرائض مقرر کئے ہیں وہ ناقابل قبول ہیں؟ انسانی حقوق قابل قبول

## ہیں انسانی فرائض ناقابل قبول؟

البته آج کی مغربی دنیا میں اٹھارویں اور انیسویں صدیوں کے طبیعی اور فطری حقوق کو نہیں زیادہ نہیں چھیڑا جاتا۔ البته وہی حقوق حال ہی میں دوسری صورت میں بیان کئے جانے لگے ہیں۔ اب اس زمانے میں جبکہ قراردادی، عرفی، تحصیلی، علمانی، جمہوری وغیرہ جیسے حقوق کی باتیں ہونے لگی ہیں تو ان کے لئے کیا فلسفی استدلال کرتے ہیں؟ اب ان کی فلسفی دلیل صرف یہ ہے کہ "اگر ہم ایک دوسرے سے مفہومت نہ کریں، ایک دوسرے کے لئے حدود کا تعین نہ کریں، تو ہم سب نیست و نابود ہو جائیں گے؛ ہم سب یہی تو چاہتے ہیں کہ زندگی گذاریں اور زندگی سے زیادہ سے زیادہ لذت اٹھائیں تو آئیں اور زیادہ سے زیادہ لذتیں اٹھانے کے لئے اپنی بعض لذتوں سے چشم پوشی کریں!"۔ [یعنی نظریہ ضرورت کے تحت سماجی سمجھوتہ]۔

کیا یہ ایک فلسفی استدلال ہے؟ کیا آپ کا فلسفی ترین استدلال اصولی طور پر فلسفی بھی ہے؟ یہ نہ تو فلسفی استدلال ہے اور نہ ہی اخلاقی ہے۔ یہ مصلحت پسندی اور نظریہ ضرورت کے تحت پیش کی جان والی پراغماتیت((((( پر مبنی Pragmatistic)) دلیل ہے۔ یعنی چونکہ زندگی گذارنے کا کوئی اور طریقہ ہے نہیں ہے لہذا کہتے ہیں کہ چلئے آپس میں سمجھوتہ کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخرالامر جنگل میں حیوانات بھی کسی طرح سمجھوتہ کریں لیتے ہیں، اس طرح کے سمجھوتے اور جنگلی جانوروں کے بیچ کے سمجھوتے میں مابہت کے لحاظ سے کتنا فرق ہے؟ ایک فرق جو بماری سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ جنگلی جانور اس طرح کوئی قرارداد کاغذ پر لکھنے سے عاجز ہیں جبکہ یہ لذتوں کی تقسیم پر طے پانے والی قرارداد کاغذ پر بھی لکھ ڈالتے ہیں۔ حیوانات ایک دوسرے کے احترام کی وجہ سے نہیں بلکہ مار کھانے کے خوف سے ایک دوسرے کے احاطے میں داخلے سے گریز کرتے ہیں چنانچہ جب بھی دیکھتے ہیں کہ لات کھائے بغیر لات مار سکتے ہیں تو بڑھ شوق سے جاکر لات مارتے ہیں [قلمرو پر قبضہ بھی کرتے ہیں]، در حقیقت یہ طرز فکر بھی ایسی ہی ہے۔ دیکھتے ہیں کہ عراق، افغانستان، فلسطین اور لبنان کو [لات کھائے اور نقصان اٹھائے بغیر] اپنے تصرف میں لاسکتے ہیں تو منہ اٹھا کر آتے ہیں اور حملہ کرتے ہیں اور جب تک ممکن ہو آتے ہیں اور جب بھی انہیں منہ کی کھانی پڑتی ہے تو پسپا ہو جاتے ہیں۔ اس عمل کا نام انسانی حقوق کا احترام نہیں ہے؛ یہ تو جبری انسانی حقوق ہوئے۔ یعنی جہاں تک ہم میں طاقت ہو پیشقدمی کرتے ہیں اور جب بماری طاقت جواب دے جاتی ہے تو انسانی حقوق کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔

والسلام عليکم و رحمة الله و برکاته

.....

حوالہ جات:

1. وسائل الشیعیة شیخ حرم عاملی۔ مؤسسة آل البيت عليهم السلام لإحیاء التراث العربي بیروت لبنان (30 مجلد) جلد 11 ص 430 جلد 16 ص 165.
2. کربلا میں داخل ہو کر ہی امام حسین علیہ السلام کے خطبے سے اقتباس۔ صحیفۃالحسین ص 278.
3. بحار الانوار ج 44 ص 325۔
4. صحیفۃالحسین (ع) - ص 266۔

7. اقبال کہتے ہیں:

مدعایش سلطنت بودی اگر

خود نکردي با چنین سامان سفر

اگر امام حسین (ع) کا مدعای سلطنت اور حکومت ہوتک تو تو خواتین اور بچوں کو ہرگز کربلا لے کر نہ آتے اور اصحاب کی مختصر تعداد لے کر 30 سے لے کر سائٹہ بزار باقاعدہ فوجیوں اور شام کے فاسق حکمران کی طاقت سے ٹکر نہ لیتے۔

8. بحار الانوار جلد 44 ص 334 – 335 – صحیفۃ الحسین (ع) ص 316. کوفیوں کے نام مسلم بن عقیل (ع) کو دیئے گئے مراسلے سے اقتباس۔

9. نهج الشہادہ، ص 225 / ادب الحسین و حماسته، ص 169

میری شان و منزلت یہ نہیں ہے کہ موت سے خوفزدہ ہو جاؤں۔ کتنا آسان ہے موت کو گلے لگانا عزت کی راہ میں اور حق و حقیقت کے احیاء کی راہ میں۔ عزت کی راہ میں موت ابدی زندگی کے سوا کچھ نہیں اور ذلت کی زندگی تدریجی موت کے سوا کچھ نہیں۔

امام حسین (علیہ السلام) عزت و عظمت تک پہنچنے کے لئے سرمایہ کاری کی توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"موت فی عزٰ خیر من حیاة فی ذلٰ"؛ عزت و عظمت تک پہنچنے کے لئے موت کو گلے لگانا زندگی ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

عزت اور ذلت دو متضاد اصطلاحات ہیں۔ انسان اصطلاح "عزت" اور اس کے مفہوم سے لذت اٹھاتے ہیں اور سب کی آرزو ہے کہ اپنے خاندان میں، معاشرے میں اور دنیا میں عزیز اور صاحب عزت و عظمت ہوں جبکہ دوسری طرف سے جب وہ ذلت کی اصطلاح اور اس کے مفہوم سے روشناس ہوتے ہیں تو اس تصور سے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ کہیں اپنی زندگی میں ذلت سے دوچار نہ ہوں۔

10. قال علی علیہ السلام: وَاللَّهِ مَا مُعَاوِيَةٌ بِأَدْهَى مِنِّي ، وَ لَكِنَّهُ يَعْدِرُ وَ يَعْجُزُ، وَ لَوْ لَا كَرَاهِيَّةُ الْعَدْرِ لَكُنْتُ مِنْ أَعْدَهَنِ النَّاسِ، وَ لَكُنْ كُلُّ

غَدَرَةٍ فَجْرَةٌ، وَ كُلُّ فُجْرَةٍ كُفْرٌ، وَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يُعْرَفُ بِهِ يَوْمُ الْقِيَامَةِ۔ وَاللَّهِ مَا أَعْسَتَنَفَلُ بِالْمَكِيدَةِ، وَ لَا أَعْسَتَنَفَلُ بِالشَّدِيدَةِ۔

خدا کی قسم! معاویہ مجھ سے زیادہ زیرک نہیں ہے۔ وہ پیمان شکنی کرتا ہے اور گناہ و فجور کا مرتکب ہوتا ہے۔ اگر میں پیمان شکنی سے کراہیت نہ رکھتا تو لوگوں میں زیرکترین میں ہی ہوتا۔ لیکن پیمان شکن گھبگار بیں اور گھبگار لوگ نافرمان ہیں۔ قیامت کے روز ہر

عہد شکن فرد کا اپنا خاص پرچم ہوگا جو اس کی شناخت کا سبب ہوگا۔ خدا کی قسم! مکر اور دھوکہ بازی مجھے انہیں لے گی اور میں دشواریوں میں عجز کا شکار نہیں ہونگا۔ نهج البلاغہ خطبہ نمبر 191. فیض الاسلام کے نسخے میں اس خطبے کا شمارہ 200 ہے۔

is an evil figure in Iranian mythology, evident in ancient Iranian folklore (ضحاک: Zahhāk or Zohhāk (in Persian 11 as Aži Dahāka, the name by which he also appears in the texts of the Avesta. In Middle Persian he is called Dahāg or Bēvar-Asp, the latter meaning "[he who has] 10,000 horses".

12. والرعيۃ سواد یستعبدم العدل والعدل أساس به قوام العالم۔ (بحارج 75 ص 83)

رعایا ایک سائے کی مانند ہیں جنہیں عدل ہی سرتسلیم خم کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے اور عدل ہی اس عالم کی پائیداری اور استواری کی بنیاد ہے۔

13. قلوب الرّعیۃ خزانٰ راعیہا، فما اودعہا من عدل او جور و جدہ = رعایا کے دل فرمانرواؤں کے خزینے ہیں پس وہ خواہ ان میں عدل و دیعت رکھیں یا ظلم، اسی طرح کا ثمرہ پائیں گے۔ غرر الْجَمَمُ و دُرُّ الْكَلَمِ - ح 4148 - صفحہ 533۔

14. والذی فلق الحبة وبرا النسمة لو اقتبستم العلم من معدهنہ وشربیتم الماء بعد ذوبته، وادخرتم الخیر من موضعه، وأخذتم من الطريق واضحۃ، وسلکتم من الحق نہجہ لهجت بکم السبیل وبدت لكم الاعلام وأضاء لكم الاسلام، فاکلتم رغدا وما عال فیکم عائل ولا ظلم منکم مسلم ولا معاهد.

قسم ہے اس ذات کی جس نے جانداروں کو حیات عطا کی اور دانے کو شگافتہ کیا اگر تم علم کو اس کے معدن سے لیتے اور پانی کو اس کی شیرینی کے ساتھ نوش کرتے اور خیر و بھلائی کو اس کے اصل مقام سے اخذ کرتے اور راستے پر اس کے روشن نقطے سے گامزن ہوتے اور حق کے راستے پر قدم رکھتے تو راستے تمہارے لئے بموار ہوتے اور راستوں کی نشانیاں تمہارے لئے روشن ہو جاتیں اور اسلام تمہارے لئے راستے روشن کر دیتا۔ پس تم آرام و سکون کے ساتھ اس میں سے کھا لیتے اور تمہارے درمیان کوئی بھی محتاج باقی نہ رہتا اور تم میں سے کوئی بھی مسلمان اور ذمی پر ظلم نہ ہوتا۔ الحیاۃ ج 2 ص 493 – بحار الانوار ج 28 ص 240/241.

15. إن الناس یستغنوون إذا عدل بینهم وتنزل السماء رزقها وتخرج الارض برکتها بإذن الله تعالى۔ الكافی ج 3 ص 568

امام علیہ السلام نے فرمایا: امر مسلم ہے کہ جب انسانوں کے درمیان عدل و انصاف نافذ ہو جائے تو لوگ ہے نیاز اور مستغنى ہو جاتے ہیں اور آسمان اپنا رزق ان پر نازل کرتا ہے اور زمین اپنی برکتیں ان کے لئے اگلی لیتی ہے۔

16- الكافی ج 8 ص 32 - مستدرک نهج البلاغہ - ص 31.

17. کشف الغمہ - اربلی - غایہ المرام - بحرانی - بحار الانوار علامہ محمد باقر مجلسی ج 1 ص 78 - 85 - اعیان الشیعہ - سید محسن امین عاملی - جزء 4 ب - حجت بالغہ - بلاغی.

18. بعض افراد شاید ان روایات کو دیکھنا چاہتے ہوں جو بہت بیں بیں کیونکہ یہ اولاً نبوی روایات ہیں یعنی رسول اکرم (ص) کی ذات بابرکات سے ہی نقل ہوئی ہیں اور پھر یہ روایت شیعیان اہل بیت (ع) کی تسمیہ اور نامگذاری کے بارے ہے اور پھر یہ روایت معتبر سنی علماء سے نقل ہوئی ہے۔

حافظ ابوالمؤبد مکی حنفی خوارزمی "متوفی سنہ 568 ہجری" اپنی کتاب "المناقب" کے صفحہ 66 پر موثق و معتبر صحابی رسول (ص) حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کرتے ہیں:

عن جابر، قال: كنا عند النبي- صلی اللہ علیہ وسلم- فاقبل علی بن ابیطالب فقال رسول اللہ: قد اتاكم اخی. ثم التفت الی الكعبه فضریبها بیده، ثم قال: والذی نفسی بیده: ان هذا و شیعته هم الفائزون يوم القيمة. ثم قال: انه اولکم ایمانا معی، و اوفاکم بعهد اللہ، و اقوامکم بامراللہ، و اعدلکم فی الرعیة، و اقسمکم بالسویة، و اعظمکم عنداللہ مزیة. قال: و فی ذلك الوقت نزلت فیه: ان الذين آمنوا و عملوا الصالحات اولئک هم خیر البریة...

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بیٹھے تھے کہ اتنے میں علی بن ابی طالب علیہ السلام وارد ہوئے۔ پغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: "قسم اس خدا کی جس کے باتھ میں میری جان اور میری زندگی ہے یہ "علی" اور ان کے شیعہ قیامت کے دن فلاح یافته اور کامیاب ہیں۔ اس کے بعد آپ (ص) نے فرمایا: تم سب میں سے یہ علی اسلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، وہ خدا کے ساتھ عہد و پیمان پر تم سے زیادہ استوار ہیں، خدا کے امر کے نفاذ میں تم سب سے زیادہ پائیدار، اور خلائق کے ساتھ برتوأ میں تم سب سے زیادہ عادل اور تقسیم میں تم سب سے زیادہ مساوات برتنے والے، اور خدا کے نزدیک تم سب سے زیادہ محترم اور معظم ہیں۔ جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ اسی اثناء میں یہ آیت علی (ع) کی شان میں نازل ہوئی: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ۔ (سورہ البینہ - آیت 7)

حافظ ابوالمؤبد مکی کی دیگر تألیفات میں کتاب "مناقب الامام ابی حنیفہ" شامل ہے جو دو جلدوں میں حیدر آباد دکن سے سنہ 1321 ہجری میں شائع ہوئی ہے۔ اور صاحب الغدیر مرحوم علامہ عبدالحسین امینی نے بھی الغدیر کی چوتھی جلد کے صفحہ 402 پر اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

19. بخارج 75 ص.

20. ان العدل میزان اللہ سبحانہ الذی وضعه فی الخلق و نصبه لاقامة الحق فلا تخالفه فی میزانہ و لا تعارضه فی سلطانہ= (غزال الحكم و درر الكلم جلد 2 ص 91) بھے شک عدل خدائی سبحان کی میزان و ترازو ہے جو اس نے لوگوں کے مابین برقرار فرمایا ہے اور اسے حق کو بربا رکھنے کے لئے نصب فرمایا ہے پس میزان الہی (یعنی عدل کی قیام) میں خدا کی مخالفت نہ کرو اور اس کی بادشاہت میں اس کا مقابلہ اور برابری کرنے کی جسارت نہ کرو۔

21. فأکبر حقوق الله تبارک و تعالیٰ عليك ما أوجب لك لنفسه من حقه الذي هو أصل الحقوق، ثم ما أوجب الله عزوجل عليك لنفسك. (خصال الشیخ الصدوقد ص 565).

پس اللہ تبارک و تعالیٰ کا سب سے بڑا حق وہ ہے جو اس نے اپنے لئے تم پر قرار دیا ہے اس حق میں سے جو تمام حقوق کی جڑ اور بنیاد ہے اور اس کے بعد دوسرا بڑا حق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے اوپر عائد کیا ہے...

\*- اعتباری اشیاء اور مقابیم ذاتی اور حقیقی مقابیم یا مقابیم ذاتی یا مقابیم واقعی کے مقابلہ ہیں۔ حق حاکمیت در حقیقت اللہ کے لئے ہے اور اگر کسی اور کے لئے اگر حکومت قرار دی گئی ہے تو وہ ان قواعد کی بنا پر ہے جو اللہ نے خود ہی وضع فرمائے ہیں اور ان کے لئے حاکمیت کا حق اعتباری ہے۔ اعتباری مقابیم کو سمجھنے کے لئے ہم نے انگریزی کے Unoriginal, Derivative, Abstract معانی نقل کئے ہیں تاہم تحقیق کے بعد اس کی بہتر وضاحت پیش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔